اسلام کے ارکانِ خمسہ اور ان کے معاشرتی اثرات

Five Pillars of Islām and their Social Impacts

Mr. Ḥāfiz Muhammad Abdul Subḥān
Ph.D Research Scholar/Lecturer Islamic Studies,
Cadet College Gudāp, Karachi, Pākistān

Prof. Dr. Muhammad Anwar Pathān
Ex-Dean, Faculty of Islamic Studies, University of Jamshoro,
Sindh, Pākistān

Abstract:

In Islām the rules of conduct are compatible with the very nature of man himself and nothing contrary to that finds any room in the life of an individual. We do not have to grape around in the dark to find a solution to any issue as Islām offers a complete code of life that covers all aspects of human life. When we closely examine the social teachings of Islam we find that these are attractive as well as effective if the intention is to create a peaceful, harmonious, and perfect society. In this article we discuss the five pillars of Islam and their impact on society as a whole if honestly implemented a guaranteed success, prosperity and blessings of Allah are promised both in this world and the hereafter. Good actions and deeds make our relation with the creator stronger and stronger. As a result we enjoy unlimited spiritual, social and economic benefits. Implementation of the fundamental pillars of Islam in letter and spirit has a positive impact on society which is a true manifestation and expression of Islāmic teachings. Islām does not stand for any superstitious beliefs or out of order system, but it is a complete, practicable, implementable and competitive manifesto.

Keywords: *Religion, Society, Unity, Tolerance, Health, Ḥād'ith*

تعارفِ موضوع:

اسلام ایک مکمّل الٰہی دین ہے جو قیامت تک دنیا میں بسنے والے تمام انسانوں کی سعادت ورحمت کا سبب ہے۔ یہ تمام انسانوں کو توحید خالص کی طرف دعوت دیتا ہے اور شرک وبدعات سے بچنے کا درس دیتا ہے۔ یہ افراط وتفریط سے پاک معتدل دین ہے،اور اسکی فرض کردہ عبادات بھی لوگوں کو اخلاق فاضلہ، صفاتِ حمیدہ، سخاوت وفیاضی، عفوودرگزر، محبت وپیار، صبر، میانہ روی اور بھائی چارگی کی تعلیم دیتی ہیں۔اسلام کی تعلیمات انسان کو ظلم وزیادتی،اخلاقِ رزیلہ وفاسدہ، شدت پسندی اور دہشتگردی سے روکتا ہے۔

زیرِ نظر مقالہ میں ہم نے "ارکانِ اسلام کے معاشرتی اثرات" پر سیر حاصل اور مستند مواد و شواہد جمع کرنے کی سعی کی ہے جس میں پہلے ہر رکنِ اسلام کو تفصیل سے ذکر کیا ہے پھر اس کے معاشرے پر کیا اثرات پڑتے ہیں، ذکر کیا گیا ہے۔ قبل اس کے کہ اصل موضوع کی طرف ہم آئیں مناسب رہے گا کہ اسلام اور معاشرہ کا مختصر تعارف پیش کر دیا جائے۔

معاشرہ کی تعریف:

معاشرہ "عاشرہ یعاشر" کا مصدر ہے۔اس کے معنی مل جل کر رہنے کے ہیں۔گویا معاشرہ سے مراد افراد کا وہ مجموعہ ہے جو باہم مل جل کر رہتا ہے۔اجتماعیت کے بغیر انسانی زندگی ناممکن ہے اور انسان پیدائش سے لیکر موت تک معاشرے کا محتاج ہے اور رہے گا۔ مشہور ماہر سماجیات میک آئیور معاشرے کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"معاشرہ اقتدار ، باہمی ربط کے طریقہ کار کے اس نظام کو کہتے ہیں جو مختلف گروہ کی روایات ،عادات واطوار کو منظم یا کنٹرول کرتا ہے"۔[۱]

سماج کے متعلق گنسبرگ کا نظریہ:

"معاشرہ افراد کے ایسے گروہ کا نام ہے جس کے آپس کے تعلقات اور طور طریقے ایک جیسے ہوتے ہی یہی چیز انہیں افراد کے دوسرے گروہ سے ممتاز کرتی ہے جن کے طور طریقے اور آپسی تعلقات ان سے مختلف ہوتے ہیں"۔[۲]

اکیلا آدمی معاشرہ کی تشکیل نہیں کر سکتا، نہ وہ سماج کے فائدوں سے مستفید ہو سکتا ہے اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ اس کے اندر ہمدردی اور ذمہ داری کے جذبات پیدا ہونگے جو معاشرہ کے لئے ضروری ہیں۔جب تک لوگ مل جل کر نہیں رہیں گے باہمی تعلقات نہیں پیدا ہو سکتے اور اگر باہمی تعلقات نہیں ہونگے تو معاشرہ وجود میں نہیں آئے گا کیونکہ معاشرہ دراصل لوگوں کے گروپ کے باہمی تعلقات ہی کا ایک نظام ہے جس کے لئے مل جل کر رہنا لازمی شرط ہے۔[۳]

اسلام کا مختصر تعارف:

اسلام کے لغوی معنی اطاعت کے ہیں. دنیا کے مذاہب میں اسلام خاص اہمیت کا حامل ہے آبادی کے لحاظ سے یہ دنیا کا دوسرا بڑا مذہب ہے اور اسکے متبعین دنیا کے تمام براعظموں میں موجود ہیں۔اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسکی تعلیمات نہایت جامع ، مکمل، وسیع،اور پوری انسانی زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور یہی وہ مذہب ہے جس نے انسانی اتحاد کی بنیاد رکھی جس نے انسان کو انسان سے صحیح معنوں میں قریب کیا اور انسانی نسل کے ہر قسم کے امتیازات ، اونچ نیچ اور رنگ و نسل کو ختم کر دیا۔اگر ایک طرف رب العلمین نے یہ اعلان فرمایا کہ۔

" يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ".[۴]

(ترجمہ) : اے لوگو، ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم ہی نے تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کرو"۔[۵]

تو اس کے ساتھ ساتھ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری پیغام میں اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے انسانیت کو پیغام دیا کہ

"تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے ہے خبردار تم میں سے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں"۔

اللہ کے نزدیک بھی پسندیدہ دینِ اسلام ہی ہے کہ ارشادِ ربانی ہے

" إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الإِسْلاَمُ "[۶] یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

یعنی اللہ کے نزدیک انسان کے لیے صرف ایک ہی نظامِ زندگی اور ایک ہی طریقہ حیات صحیح و درست ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو اپنا معبود تسلیم کرے اور اسکی غلامی میں اپنے آپ کو سپرد کردے اور اسکی بندگی بجا لانے کا طریقہ خود ایجاد نہ کرے، بلکہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے جو ہدایت بھیجی ہے، اسی طرزِ فکر و عمل کا نام "اسلام" ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

''عن عبد الله بن عمر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: بنى الاسلام على خمس: شهادة أن لاّ إله الّا الله وأنّ محمّدا رسول الله، وإقام الصّلٰوة، وإيتاء الزّكاة وحجّ البيت، وصوم رمضان".[۷]

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا، اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔''

دین اسلام کی تکمیل ان پانچ ارکان سے ہوتی ہے جو مذکورہ حدیث کے اندر بیان کئے گئے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک رکن کی بھی کمی ہو گی تو دین کی عمارت نامکمل ہی رہے گی۔ اگرچہ توحید و رسالت کے اقرار کے بعد انسان اسلام میں داخل ہو کر مسلمان کہلانے کا حقدار ہو جاتا ہے مگر اس کا دین اس وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ باقی ارکان پر بھی عمل پیرا ہو۔

اسلام کے مذکورہ ارکان میں سے کسی ایک رکن کی فرضیت کا انکار کرتے ہوئے اسے ترک کرنے والا کافر ہو جائے گا البتہ سستی اور کاہلی سے چھوڑنے والا سخت کبیرہ گناہ کا مرتکب اور فاسق ہو گا لیکن ملت اسلام سے خارج نہیں ہو گا۔

یہ وہ ارکان اور بنیادی ستون ہیں جن پر دین اسلام کی عمارت قائم ہے۔

اسلام کا پہلا رکن: توحید و رسالت پر ایمان

اسلام اور دیگر مذاہب میں "توحید و رسالت پر ایمان" حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر کوئی انسان دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا اور اسلام میں ان دونوں کا مفہوم اپنے اندر ایک مخصوص وسعت رکھتا ہے چنانچہ توحید صرف اللہ کو ایک ماننے کا نام نہیں بلکہ اللہ کو اسکی ذات، صفات، کمالات اور اختیارات ہر چیز میں یکتا و واحد ماننا توحید کا مفہوم ہے۔

اسی طرح رسالت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے کا نام نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کے ساتھ ساتھ یہ اعتقاد بھی ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی شخص کسی بھی صورت میں نبی بن کر نہیں آئے گا۔

اسلام کا پہلا رکن دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول "توحید" کہلاتا ہے۔ یعنی دل اور زبان سے اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ زندگی اور موت کا وہی مالک ہے۔ اولاد دینے والا، رزق پہنچانے والا اور نفع و نقصان کا وہی مالک ہے۔ صرف وہی تمام اختیارات کا مالک ہے باقی سب عاجز بندے ہیں۔ کوئی نبی، ولی، فرشتہ یا بزرگ اللہ کی ذات یا صفات اور حقوق و افعال میں اس کا شریک و ہمسر نہیں۔ وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی یکتا ہے۔ توحید کے برعکس عقیدہ کو شرک کہا جاتا ہے۔

رسالت:

اسلام کے پہلے رکن کا دوسرا حصہ "رسالت" کہلاتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی راہنمائی کے لئے ہر زمانہ میں انبیاء و رسل مبعوث فرمائے یہ سلسلہ سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ کی آخری کڑی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے نبی و رسول بن کر آئے۔ آپ کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی و رسول نہیں آئے گا۔ اگر کوئی شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک نبوت یا رسالت کا دعویٰ کسی حیثیت میں بھی کرے تو وہ کذاب (جھوٹا) ہے۔ "مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ".[۸] یعنی لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے (سلسلے کو) ختم کرنے والے ہیں۔

عقیدہ توحید کے انسانی معاشرے پر اثرات

توحید اسلام کا سب سے بنیادی عقیدہ ہے جو کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی و معاشرتی زندگی پر کئی لحاظ سے اثر انداز ہوتا ہے۔ عقیدہ توحید کے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر بہت سے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ان اثرات کو عقیدہ توحید کے فوائد و ثمرات بھی کہا جاتا ہے۔

عقیدہ توحید کا ماننے والا صرف اور صرف اللہ ہی کی بارگاہ میں جھکتا ہے اور اسی کے حضور اپنی عاجزی و انکساری پیش کرتا ہے۔چنانچہ اس عقیدہ کی وجہ سے انسان در در کی ٹھوکریں کھانے سے بچ جاتا ہے۔اور صرف اسی حاکم الحاکمین کے سامنے جھکتا ہے کہ جس کے سامنے جھکنے سے اس کی عزت میں کمی نہیں بلکہ زیادتی ہوتی ہے۔در در پر بھٹکنے اور جھکنے والے آدمی کی عزتِ نفس اور خودداری مجروح ہوتی ہے۔جبکہ عقیدہ توحید انسان کو اس رسوائی سے بچا کر صرف اس ایک ذات کے سامنے جھکنے کی تعلیم دیتا ہے کہ جس کے سامنے جھکنے سے اس کی خودداری اور عزتِ نفس مجروح نہیں ہوتی بلکہ اس کی عزت،احترام و وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات اور زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے۔چنانچہ ارشاد ربانی ہے :

" وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً."[۹] یعنی اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

تو اگر حضرتِ انسان اپنے سے کسی کمتر مخلوق کے سامنے جھکنا شروع کر دے اور اسے اپنا معبود بنالے تو گویا اس نے خود اپنے آپ کو منصب خلافت سے گرا دیا۔گویا انسان صرف اللہ ہی کو وحدہ لاشریک سمجھے تو اسی صورت میں وہ منصب خلافت پر خود کو صحیح طور پر قائم رکھ سکتا ہے اور حق نیابت ادا کر سکتا ہے جبکہ شرک میں مبتلا ہو کر وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ایک اللہ کا پیروکار صرف اسی کا ڈر دل میں رکھتا ہے اور صرف اسی کے احکام کو اپنے لیے لازم سمجھتا ہے اس طرح وہ مخلوقات کی غلامی سے نکل آتا ہے۔عقیدہ توحید کو ماننے والے کے دل میں صرف اور صرف اللہ ہی کا ڈر ہوتا ہے۔اور وہ مخلوقات میں سے کسی سے خوف نہیں کھاتا۔اس طرح وہ نڈر، بہادر، شجاع و بے خوف ہو جایا کرتا ہے۔

عقیدہ توحید کو ماننے والا یہ اعتقاد بھی رکھتا ہے کہ میری تمام صلاحیتیں اللہ ہی کی طرف سے عطا کردہ ہیں ۔اس طرح وہ اپنی صلاحیتوں پر غرور نہیں کرتا۔بلکہ اس میں عاجزی و انکساری پیدا ہوتی ہے۔عقیدہ توحید کو ماننے والے کو خداوند قدوس کی بارگاہ میں جوابدہی کا بھی ڈر ہوتا ہے۔چنانچہ وہ اپنے رب کی رضا کے حصول کے لئے رذائل سے بچتا ہے ااور اپنے اندر تقویٰ کی صفت پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے۔

ایک اللہ کو ماننے والا یہ یقین رکھتا ہے کہ ہر مشکل اور مصیبت میں میرا حاجت روا اور مشکل کشا صرف اور صرف اللہ ہی ہے کوئی اور میری مدد نہیں کر سکتا۔چنانچہ وہ ہر معاملہ میں اللہ ہی پر بھروسہ رکھتا ہے۔توحید کا یقین رکھنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خداوند قدوس ساری کائنات کے لئے احکم الحاکمین اور رحیم و کریم ہے۔چنانچہ وہ

تنگ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتا کہ صرف ہمارے قبیلے کو فلاح حاصل ہو گی یا خدا صرف ہمار اہے بلکہ وہ وسعت نظری کے ساتھ یہ یقین رکھے گا کہ کسی بھی قبیلے کا کوئی بھی فرد اگر صحیح عقائد وایمان رکھتا ہے تو اسے فلاح حاصل ہو گی۔

زیادہ خداؤں کے ماننے والے کو ہر وقت یہ خدشہ رہتا ہے کہ شاید میرا فلاں معبود مجھ سے ناراض ہو گیا یا شاید فلاں خدا کو میں صحیح طور پر راضی نہیں کر سکا جبکہ ایک اللہ کا ماننے والا قلبی اطمینان اور سکون کے ساتھ صرف اسی کو راضی رکھنے کی کوشش کرے گا۔

توحید اور تصورِ مساوات

عقیدہ توحید یہ بھی درس دیتا ہے کہ تمام انسان اللہ رب العزت کی بارگاہ میں بحیثیت انسان برابر ہیں۔کسی کو کسی پر تقویٰ کے علاوہ کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔توحید کے اس درس سے معاشرت میں مساوات پیدا ہوتی ہے۔جس کی ہم کو اشد ضرورت ہے۔توحید ہی وہ واحد نظریہ ہے کہ جو عقل و فکر کے عین مطابق ہے اور جس پر انسانیت کا اجماع ممکن ہے گویا توحید فکری اتحاد کے لئے ایک پلیٹ فارم کی حیثیت رکھتا ہے۔اور اس پلیٹ فارم کی مدد سے ہم معاشرہ میں امن وسکون قائم کر سکتے ہیں۔چنانچہ جس معاشرے میں اللہ کے پیروکار ہوں گے وہاں پر معاشرتی امن قائم ہو گا۔اگر معاشرہ کے افراد بارگاہ ربانی میں جوابدہی کے ڈر سے رذائل سے اجتناب کریں گے اور محاسن کو اپنائیں گے تو معاشرہ میں اعلیٰ روایات تشکیل بھی پائیں گی۔اور ان کی ترویج بھی ہو گی۔

توحید کا انفرادی اثر:

توحید کا انفرادی زندگی پر بھی بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔اس سے انسان میں آزادی وحریت ،خودداری ،بہادری وشجاعت اور وسعت نظری پیدا ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جس معاشرہ میں ان صفات کے حامل افراد موجود ہوں گے وہ معاشرہ بلند فکر ہو گا اور مصمم ارادہ کی صفات سے متصف ہو گا۔گویا اپنے رب کو ہی اپنا مالک ،رازق،اور معبود جانو۔چھوڑ دو ان خداؤں کی پوجا جو آپ کو رسوائی کے سوا کچھ دے نہیں سکتے۔جن کے اپنے پیٹ نہیں بھرتے وہ دوسروں کے بارے میں کیا سوچیں گے۔صرف اپنے رب سے محبت اور اس کی ہی عبادت کرو۔کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔صرف اپنے رب کی ہی عبادت کرو اور اسی سے مانگو کیونکہ وہی سب کے دلوں کا حال جانتا ہے اور وہی سب کچھ دینے والا ہے۔

اسلام کا دوسرا رکن: اقامت صلوٰۃ

صلوٰۃ صَلیٌ سے بنا بمعنی گوشت بھونا،آگ پر پکانا،رب فرماتا ہے:"سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ" (اللھب۔۳)۔نیز آگ سے لکڑی سیدھی کرنے کو تصلیہ کہاجاتاہے،چونکہ نماز اپنے نمازی کے نفس کو مجاہدہ ومشقت کی آگ پر جلاتی ہے،نیز اسے سیدھا کرتی ہے، اس لئے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں۔اب صلوٰۃ کے معنی دعا،رحمت،انزال،رحمت،استغفار،سرین ہلانا ہیں۔چونکہ یہ سب چیزیں نماز میں ہوتی ہیں اس لئے نماز کو صلوٰۃ

کہتے ہیں۔اسلام میں سب اعمال سے پہلے نماز فرض ہوئی، یعنی نبوت کے گیارہویں سال ہجرت سے دو سال کچھ ماہ پہلے، نیز ساری عبادتیں اللہ تعالیٰ نے فرش پر بھیجیں مگر نماز اپنے محبوب کو عرش پر بلا کر دی اس لئے کلمہ شہادت کے بعد سب سے بڑی عبادت نماز ہے۔جو نماز سیدھی کر کے پڑھے تو نماز اسے بھی سیدھا کر دیتی ہے۔"[۱۰]

کلمہ پڑھ لینے کے بعد ایک مسلمان پر سب سے پہلے نماز کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔دین اسلام میں نماز کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر نماز کا حکم آیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

" وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ. "یعنی اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔

اسی طرح بیسیوں جگہ نماز کو اہل ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔قیامت والے دن عبادات میں سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہو گا۔اگر آدمی نماز کے سوال میں کامیاب ہو گیا تو باقی تمام سوالوں میں کامیاب ہو جائے گا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور کفر کے درمیان حدّ فاصل نماز کو ہی قرار دیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بين العبد و بين الكفر ترك الصلوٰة".[۱۲]"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" بندے اور کفر کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے۔

بندہ مؤمن اور کفر کے درمیان نماز کی دیوار حائل ہے جو اس تک کفر کو نہیں پہنچنے دیتی جب یہ آڑ ہٹ گئی تو کفر کا اس تک پہنچنا آسان ہو گیا، ممکن ہے کہ آیندہ یہ شخص کفر بھی کر بیٹھے۔خیال رہے کہ بعض آئمہ ترک نماز کو کفر بھی کہتے ہیں، بعض کے نزدیک بے نمازی لائق قتل ہے اگرچہ کافر نہیں ہوتا، ہمارے امام صاحب کے نزدیک بے نمازی کو مارپیٹ اور قید کیا جائے جب تک کہ وہ نمازی نہ بن جائے۔ہمارے ہاں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بے نمازی قریب کفر ہے یا اس کے کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے یا ترک نماز سے مراد نماز کا انکار ہے، یعنی نماز کا منکر کافر ہے۔[۱۳]

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تلقین پر اس قدر زور دیا کہ فرمایا:

"مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلاَةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ وَإِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِينَ فَاضْرِبُوهُ عَلَيْهَا. "[۱۴]یعنی جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کی تعلیم دو اگر دس سال کا ہو جائے اور نماز میں سستی کا مرتکب ہو تو اسے سزا دو۔"

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں نماز کے لئے "اقامت" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اقامت کا مفہوم صرف نماز پڑھ لینا ہی نہیں بلکہ نماز کو باالالتزام، مکمل آداب وشرائط کے ساتھ ہمیشہ پابندی کے ساتھ باجماعت سنت طریقہ کے مطابق قائم کرنا ہے۔

نماز کے معاشرتی اثرات:

دینِ اسلام کی روح عبادات ہیں. جن میں سے نماز کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا۔حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ."[۱۵] یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں کر دی گئی ہے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو ہی اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کیوں قرار دیا۔۔۔؟ حالاں کہ اس کے علاوہ روزہ، حج، زکوۃ اور جہاد بھی اسلام کی امتیازی عبادات میں سے ہیں، تو ممکن ہے کہ کسی ذہن میں اس کا جواب یہ ہو کہ قرآن مجید میں چوں کہ اس کا ذکر بقیہ عبادات کے مقابلے میں زیادہ ہے، اس لیے اسے فوقیت حاصل ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو اس کی بہت سی اہم وجوہات اس کے علاوہ بھی ہیں، جن میں سے کچھ کا تفصیل سے یہاں ذکر کرنا مقصود ہے۔

نماز کے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ اگر ہم غور کریں تو نماز کی ادائیگی کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں رہتا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: " وَارْكَعُواْ مَعَ الرَّاكِعِينَ ".[۱۶] یعنی اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ"

اس قرآنی حکم نے اپنے اندر حکمت و دانش کے بے پناہ نکات سموئے ہوئے ہیں۔ یہ قاری قرآن کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے، کہ باجماعت نماز کی ادائیگی سے ہی اس کے حقیقی فوائد و ثمرات کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ اسلام انفرادی کے بجائے اجتماعی عبادات پر زیادہ زور دیتا ہے۔

اس لیے کہ اجتماعی عبادات جہاں اپنے اندر قبولیت کے زیادہ مواقع رکھتی ہیں، وہاں مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی اخلاقیات پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں، جس کا لازمی نتیجہ باہمی ہم دردی و غم گساری اور تعاون کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ اور ماہرینِ سماجیات کے مطابق یہی وہ بنیادی عوامل ہیں جو ایک معاشرے کو پرامن، باوقار، جنت نظیر اور عدل وانصاف کا حامل بناتے ہیں، اور ایسا معاشرہ ہی ایک ترقی پسند، روشن خیال اور پرامن و غیرت مند قوم کی تشکیل کرتا ہے۔

ایک اور زاویے سے دیکھا جائے تو نماز کی اجتماعی ادائیگی کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ جب ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ اجتماعی عبادت کرتا ہے تو عملی زندگی میں وہ ان کے ساتھ معاملات میں اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ کہ مجھ سے کسی دوسرے مسلمان بھائی کے ساتھ ظلم و ناانصافی نہ ہو جائے، کیوں کہ اگر ایسا ہوا تو وہ ایک طرف اس مسلمان بھائی کا مجرم ہوگا، جس کے ساتھ وہ نماز باجماعت ادا کرتا ہے، اور دوسری طرف وہ اللہ کا بھی مجرم ہوگا، جس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ انسان میں جب یہ احساس پیدا ہو جائے گا تو وہ کسی پر ظلم و زیادتی سے گریز کرے گا، اور گناہوں سے بھی کنارہ کشی کرنے کی کوشش کرے گا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس حقیقت کی وضاحت یوں کی کہا: " إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ".[۱۷] یعنی بلاشبہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔"

اس کو ایک اور جہت سے دیکھا جائے تو فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس میں نماز کے لیے صفیں درست کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، صفیں درست نہ کرنے کے سبب دلوں میں دوریاں پیدا ہوتی ہیں، جب کہ صفیں درست کرنے سے نماز کی اجتماعی روحانیت کا سرور دوبالا ہوجاتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ آپس میں ایک دوسرے کے لیے باہمی محبت اور خلوص کے جذبات جنم لیتے ہیں، نفرتیں دم توڑ دیتی ہیں اور اتفاق واتحاد کی فضا قائم ہوتی ہے، اتحاد کی اس فضا کو قائم رکھنے کے لیے مسلم معاشرے کو یوں متوجہ کیا: " وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ."[۱۸] یعنی اور اللہ کی رسی کو خوب مضبوطی سے پکڑلو اور تفرقہ نہ کرو۔"

نماز کے انسانی زندگی پر اثرات:

نماز اپنے اندر بہت سے جسمانی اور روحانی فوائد لیے ہوئے ہے آج کل محققین کا اس طرف تحقیق کرنے کا بہت رجحان بنا ہوا ہے اور مختلف سائنسدانوں نے نماز کو انسانی صحت کے حوالے سے بہت مفید پایا ہے۔قرآن اور حدیث میں بھی نماز کے کافی سارے فوائد بیان کئے ہیں۔چنانچہ ارشادِ ربانی ہے

"إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ". بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔"[۱۹]

آج ساری دنیا میں جرائم کا دور دورہ ہے۔ حکومتیں، قانون ساز ادارے، عدالتیں، سب پریشان ہیں۔ مگر معاشرے سے برائی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔اس سلسلے میں مذکورہ ارشاد ربانی کی روشنی میں نماز بہت ہی معاون ومددگار ہے۔ بشرطیکہ نماز خلوص دل سے ادا کی جائے۔ایمان اور عقیدہ کے بعد اعمال میں نماز سب سے پہلا فرض ہے جس کی ادائیگی کے بغیر ایک آدمی کامل مومن نہیں بن سکتا۔اللہ تعالیٰ اس کو بے شمار دنیوی واخروی فوائد اور انعامات سے بھی نوازتا ہے۔دنیوی فوائد میں یہ کیا کم ہے کہ نماز سے آدمی کے دل کو سکون حاصل ہوتا ہے۔وہ سکون جس کا موجودہ انسان حد درجہ متلاشی ہے؛ مگر حاصل نہیں کر پاتا۔کیونکہ وہ اسے الٰہی اسباب کے سوا دوسرے اسباب میں تلاش رہا ہے۔ جبکہ انسان کے خالق کا فرمان ہے۔أَلاَ بِذِكْرِ اللّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ".[۲۰] یعنی یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے۔"

اور اللہ کے ذکر میں، سب سے بڑا ذکر نماز ہی ہے۔اور اُخروی فوائد میں سے ایک فائدہ تو وہ ہے، جسے باری تعالیٰ نے یوں ارشاد ان الفاظ میں بیان فرمایا: "قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ."[۲۱] یعنی یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کرلی۔جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔

اس کے بعد فلاح پانے والوں کے چند اوصاف بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے: "وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ أُوْلَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ".[۲۲] یعنی جو لوگ اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں یہی وارث ہیں (جنت کے)

نماز اور روحانی شفاء

خالقِ کائنات کا ارشاد ہے: " إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ".[۲۳] یعنی بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

نماز میں انسان کے لیے نہ صرف جسمانی شفاء ہے بلکہ روحانی شفاء بھی ہے قرآنِ کریم کی اس آیتِ کریمہ میں روحانی شفاء کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔بے حیائی اصل میں تمام ذہنی تکالیف کی جڑ ہے،بے حیائی سے مراد ایک ایسی ذہنی کیفیت ہے جس میں بندہ کوئی برائی کرتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا اور وہ برائی کو برائی ہی نہیں سمجھتا،وہ نہ صرف غلط کام بلا کسی جھجک کے کرتا ہے بلکہ ساتھ میں اس پہ شرمندہ بھی نہیں ہوتا اور ہر کسی کے سامنے اظہار کرنے سے بھی نہیں کتراتا۔جب کسی بندے کی ایسی حالت ہو جاتی ہے تو وہ اپنا ذہنی سکون بھی کھو دیتا ہے اور یہ ذہنی بیماری بن جاتی ہے جسکا علاج صرف روحانی طریقے سے ممکن ہے اور آیتِ کریمہ میں اس بیماری کا حل بہت اچھی طرح سے بتایا گیا ہے۔

جو لوگ باقائدہ پانچ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں وہ بے نمازی بندے کی نسبت زیادہ پرسکون رہتے ہیں اور مزاجاً وہ برائی سے دور ہوتے ہیں اگر ان سے کوئی غلطی ہو جائے تو ضمیر کی آواز انکو بہت تیز سنائی دیتی ہے اور غلطی کے ازالے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں،اور اس طرح برائی سے دور رہتے ہیں اور پرسکون زندگی گزارتے ہیں۔

نماز کے انسانی دماغ پر اثرات:

انسانی صحت پر نماز کے سب سے بہتر اثرات سجدے کے دوران ہوتے ہیں،جب مسلمان نماز کے دوران سجدے میں جاتا ہے تو اس دوران خون دماغ کی طرف ہو جاتا ہے اور یہ دماغ کو تازہ خون پہنچانے کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔تازہ خون کے پہنچنے سے دماغ تازہ اور پرسکون رہتا ہے اور دماغی امراض کا خطرہ بہت کم ہو جاتا ہے۔یوگا کے کچھ اقسام میں یوگا کرنے والے سر کے بل اسی مقصد کے لیے کھڑے ہوتے ہیں کہ سر کو تازہ خون مل سکے۔[۲۴]

اسلام کا تیسرا رکن: رمضان کے روزے

روزہ کا مفہوم:

روزہ کے لئے عربی میں لفظ صوم مستعمل ہے۔اس لفظ کا مادہ ص۔و۔م اور صوم کا لغوی معنی ہے ''کام سے رُک جانا'' کسی جگہ پر ٹھہر جانا۔ کھانے پینے، گفتگو کرنے اور چلنے سے رک جانے کو بھی صوم کہتے ہیں۔ لغوی معنی کے لحاظ سے ''صوم'' کا اطلاق صرف روزے پر ہی نہیں ہوتا بلکہ عربی میں کہتے ہیں۔ صامت الریح ہوا تھم گئی۔ صام النھار ظہر کا وقت ہو گیا (کیونکہ اس وقت آفتاب نصف النہار پر رکا ہوتا ہے۔) اس سے پھر ''صامت الشّمس'' بھی کہا جاتا ہے یعنی سورج نصف النہار پر مرکوز ہے۔ لہٰذا ''صوم الصائم'' سے مراد کھانے پینے اور ان تمام امور سے باز آجانا ہے جن سے اسے منع کیا گیا ہو۔ گفتگو سے رک جانے کو بھی ''صوم'' ہی کہتے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

اس لغوی معنی کو سامنے رکھتے ہوئے ''صوم'' کا اصطلاح شرع میں معنی یہ ہوا کہ انسان کا سحری کھا لینے کے بعد غروب آفتاب تک نہ صرف کھانے اور پینے سے رُک جانا بلکہ زبان کا جھوٹ، غیبت، چغلی اور تمام بری باتوں سے رُک جانا، ہاتھوں کا کسی کو تکلیف دینے سے رُک جانا، پاؤں کا غیر شرعی سفر سے رُک جانا، کانوں کا جھوٹ، غیبت، چغلی اور بے ہودہ باتوں کے سننے سے رُک جانا، نگاہوں کا خیانت سے رک جانا، غرضیکہ ''صوم'' کا صحیح مفہوم ہی یہ ہے کہ ہر برائی اور ہر خطا سے اپنے دامن کو بچانا اور خدائے کریم کی مقرر کردہ حدود میں پابند رہنا۔ مسلمانوں پر سال بھر میں رمضان المبارک کے روزے رکھنا فرض ہے۔ روزے پچھلی امتوں کی طرح اِس امت پر بھی فرض کیے گئے، جسکا ثبوت قرآن میں ان الفاظ میں ملتا ہے۔

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ."۔[۲۵]

(ترجمہ) : اے ایمان والوں تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔

روزہ ہر عاقل، بالغ، صحت مند اور باشعور مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور نفسانی خواہشات پر کنٹرول رکھنے کا نام روزہ ہے۔ روزہ انسان کو متقی اور پرہیز گار بناتا ہے۔ مسافر اور مریض کو اجازت ہے کہ وہ روزہ چھوڑ دیں البتہ بعد از رمضان ان روزوں کی قضا دینی ہو گی۔ ارشادِ ربانی ہے: " فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ."[۲۶] یعنی اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اسے چاہیے کہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔

روزے کی فضیلت:

احادیث مبارکہ میں روزے کی بڑی فضیلت اور ثواب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" الصِّيَامُ جُنَّةٌ، فَلاَ يَرْفُثْ وَلاَ يَجْهَلْ، فَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ. مَرَّتَيْنِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، يَتْرُكُ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي، الصِّيَامُ لِي، وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا ".[۲۷]

(ترجمہ) : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ دوزخ سے بچنے کے لیے ایک ڈھال ہے اس لیے (روزہ دار) نہ فحش باتیں کرے اور نہ جہالت کی باتیں اور اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا اسے گالی دے تو اس کا جواب صرف یہ ہونا چاہئے کہ میں روزہ دار ہوں، (یہ الفاظ) دو مرتبہ (کہہ دے) اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک

کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ اور پاکیزہ ہے، (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) بندہ اپنا کھانا پینا اور اپنی شہوت میرے لیے چھوڑ دیتا ہے، روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اور (دوسری) نیکیوں کا ثواب بھی اصل نیکی کے دس گنا ہوتا ہے۔

جب رمضان کے بابرکت مہینے کی آمد ہوتی ہے تو رب تبارک وتعالیٰ شیاطین کو بھی زنجیروں میں جکڑ دیتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ ".[۲۸]

(ترجمہ): جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو آسمان کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے۔

روزہ کے معاشرتی اثرات:

دنیا کے ہر مذہب میں دنیاوی کثافتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے کچھ عبادات تجویز کی گئی ہیں، اسلام نے بھی اپنے پیروکاروں کے لئے عبادات کا ایک نظام تجویز کیا ہے جس کے ذریعے مسلمان نفس کی آلودگیوں سے نجات حاصل کر کے قرب الٰہی پا سکتے ہیں۔ اس نظام عبادات میں نماز کے بعد روزہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، قرآن مجید میں روزہ کے لئے صوم اور صیام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو نہ صرف کم خوری کی تعلیم دی بلکہ روزہ کو ارکان اسلام کا حصہ بنا دیا، احادیث مبارکہ میں انسان کو کھانا کھاتے ہوئے پیٹ کے تین حصے کرنے کا حکم دیا ہے، ایک کھانے کے لئے ایک پانی کے لئے اور ایک ہوا کے لئے مزید فرمایا گیا ہے کہ "الْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ".[۲۹] "مومن ایک آنت سے کھاتا ہے جبکہ کافر سات آنتوں سے (یعنی خوب پیٹ بھر کر)"

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا، اکثر اوقات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقہ کشی کی بدولت اپنے پیٹ پر پتھر باندھا، اصحاب صفہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہ کر علم دین سیکھتے تھے، ہمیشہ کم خوری پر عمل کرتے رہے۔ کہیں سے تھوڑا بہت کھانے کو آ جاتا تو کھا لیتے ورنہ صبر و شکر کا دامن تھامے رہتے۔ بھوک لگنے پر کھانا اور بھوک رکھ کر چھوڑ دینا اسلام کا زریں اصول ہے۔

جدید میڈیکل سائنس کی رو سے تھوڑا کھانا ہضم کرنے کے لئے تھوڑی توانائی کی ضرورت ہے اور زیادہ کھانا ہضم کرنے کے لئے زیادہ۔ کھانا اگر مرغن اور ثقیل ہو تو اور بھی زیادہ توانائی چاہئے یہی وجہ ہے کہ مرغن غذائیں کھانے والے حضرات اکثر بدہضمی کی شکایت کرتے ہیں۔ پیٹ ایک کارخانے کی مانند ہے جو

غذا کو لحمیات، نمکیات اور چربی میں تبدیل کر کے جسمانی ضرورت کو پورا کرتا اور فضلات کو خارج کرتا ہے، زیادہ خوراک کھانے سے اس کارخانے کے تمام پرزوں کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے وہ جلدی خراب ہو جاتے ہیں، ایسی صورت میں غذا غیر ہضم شدہ حالت میں، معدہ میں غلاظت پیدا کرتی ہے، جو جان لیوا بیماریوں کا باعث ہو سکتی ہے۔[۳۰]

روزہ کے جسمانی فوائد:

روزہ سے ہمارے خون کے اندر سے زہریلا مادا ختم ہوتا ہے۔روزے سے کولیسٹرول کا خاتمہ ہوتا ہے۔ آنتوں کی صحت کے لیے بھی روزہ ایک بہترین علاج ہے۔روزہ جلد کی بیماریوں کا بہترین علاج ہے۔روزہ سے روحانی طاقت ملنے کی وجہ سے اعصابی نظام مضبوط ہوتا ہے کیونکہ یہ منفی احساسات اور غلط کاموں سے دور ہوتے ہیں۔روزہ دماغی صحت کے لیے بہترین علاج ہے۔ روزہ جگر کی تقویت کا سبب ہے۔[۳۱]

اسلام کا چوتھا رکن: زکوٰۃ:

زکوٰۃ کا لغوی معنی عمدہ چیز کے آتے ہیں"۔[۳۲] قرآن وحدیث میں ادائیگی زکوٰۃ کا حکم یوں بیان کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے" وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ ".[۳۳] اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

"قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ. فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلاَّ بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ".[۳۴]

(ترجمہ): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں تاآنکہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔جب وہ یہ کام کر لیں تو وہ مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کر لیں گے سوائے کسی اسلامی حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہوگا۔

زکوٰۃ کا لغوی معنی و مفہوم:

لغوی اعتبار سے زکوٰۃ کا لفظ دو معنوں کا حامل ہے۔اس کا ایک معنی پاکیزگی، طہارت اور پاک صاف ہونے یا کرنے کا ہے (۳۵) اس کی وضاحت میں جو پاکیزگی و طہارت پر دلالت کرتا ہے قرآنِ حکیم کا یہ ارشاد محلِ غور ہے۔ "قَدْ اَفَلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ، وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ".[۳۵] یعنی تحقیق جس نے تزکیہ نفس کیا وہ کامیاب ہوا اور جو معصیت میں مبتلا ہوا وہ خائب و خاسر ہوا۔"

اس آیہ کریمہ میں دنیوی واخروی کامیابی کیلئے طہارت و تزکیہ نفس کا جو تصور پیش کیا گیا ہے اسے مد نظر رکھنے سے زکوٰۃ کا اطلاق راہ خدا میں خرچ کیے جانے والے اس مال پر ہوتا ہے جو دولت کو ہر قسم کی غلاظتوں ،آلائشوں سے پاک وصاف کر دیتا ہے۔

زکوٰۃ کا دوسرا مفہوم نشو ونما پانے، بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا ہے۔[۳۶] جیسے وہ کھیتی جو بہت بڑھ رہی ہو اور پھل پھول لا رہی ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ زَكا الزّرع یعنی کھیتی نے نشو ونما پائی"۔

اس مفہوم کو پیش نظر رکھیں تو زکوٰۃ کے لفظ کا اطلاق اس مال پر ہوتا ہے جسے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے اس میں کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ وہ خدا کا فضل اور برکت شامل ہونے کی وجہ سے بڑھتا رہتا ہے۔

فرضیت و مصارفِ زکوٰۃ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ ".[۳۷] یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

جو لوگ صاحب حیثیت ہوں ان پر اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے کہ وہ اپنی دولت میں سے مخصوص حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ تاکہ دولت گردش کرتی رہے اور مالداروں کے دل میں دولت کی محبت گھر نہ کر جائے۔ نیز معاشرہ کے جو افراد مفلوک الحال، غریب، نا تواں، مفلس اور نادار ہوں ان کی مدد کی جائے۔ ضمناً ہم یہاں مصارفِ زکوٰۃ کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

مصارفِ زکوٰۃ:

اللہ رب العزت نے سورۃ توبہ میں آٹھ مصارفِ زکوٰۃ کو بیان فرمایا ہے کہ ان لوگوں میں زکوٰۃ کی تقسیم کی جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

"إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاء وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللّهِ وَاللّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ".[۳۸]

(ترجمہ): زکوٰۃ صرف فقیروں اور بالکل محتاجوں اور زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر کیے ہوئے لوگوں اور ان کیلئے ہے جن کے دلوں میں اسلام کی الفت ڈالی جائے اور غلام آزاد کرانے میں اور قرضداروں کیلئے اور اللہ کے راستے میں (جانے والوں کیلئے) اور مسافر کے لئے ہے۔ یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا حکم ہے اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

زکوٰۃ کے مستحق آٹھ قسم کے لوگ قرار دیئے گئے ہیں ان میں سے مؤلفۃ القلوب صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کے اِجماع کی وجہ سے ساقط ہوگئے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا تو اب اس کی حاجت نہ رہی اور یہ اجماع حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں منعقد ہوا تھا۔ یہاں ایک اہم بات یاد رہے کہ مؤلفۃ القلوب کے حصے کو ساقط کرنے میں ایسا نہیں ہے کہ صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآنِ کریم کو ہی بدل دیا کیونکہ قرآنِ مجید ایسی کتاب ہے ہی نہیں کہ مخلوق میں سے کوئی اسے تبدیل کر سکے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ کے ذمہؐ کرم پر ہے، بلکہ صحابہؓ کرام کا مؤلفۃ القلوب کے حصے کو ساقطِ کرنے میں اِجماع یقینا کسی دلیل کی بنا پر تھا، جیسا کہ علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحدؒ فرماتے ہیں "یقینا ان کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو گی جس سے انہیں علم ہو گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے اس حکم کو منسوخ کر دیا تھا۔ یا، اس حکم کے

آپ کی (ظاہری) حیاتِ مبارکہ تک ہونے کی قید تھی۔ یا، یہ حکم کسی علت کی وجہ سے تھا اور اب وہ علت باقی نہ رہی تھی۔[۳۹]

زکوۃ کے معاشرتی زندگی پر اثرات:

زکوۃ کا تعلق اقتصادیات سے ہے، یہ اسلام کے اقتصادی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایتائے زکوۃ کے حکم کے پیچھے یہ فلسفہ کارفرما ہے کہ اسلامی حکومت پورے معاشرے کو ایسا اقتصادی و معاشی نظام، طرزِ زندگی اور سماجی ڈھانچہ مہیا کرے جس سے حرام کمائی کے راستے مسدود ہو جائیں اور رزقِ حلال کے دروازے کھلتے چلے جائیں۔ اس لئے شریعت مطہرہ نے ہر صاحبِ مال پر یہ فریضہ عائد کیا کہ وہ سالانہ بنیادوں پر اپنے جمع شدہ اموال پر اڑھائی فی صد کے حساب سے مال نکال کر اجتماعی طور پر حکومت کے بیت المال میں جمع کرا دے تاکہ وہ اسے معاشرے کے نادہندہ اور محتاج افراد کی ضروریات پوری کرنے پر صرف کر سکے، یا اپنے ہاتھ سے ضرورت مندوں کو دے۔ اس شرح سے اگر سب اہل ثروت اور متمول افراد اپنے سال بھر کے زر و مال سے اپنا اپنا حصہ نکالتے رہیں تو اس طرح نہ صرف ان کی کمائی حلال ہو گی اور ان کا مال و متاع آلائشوں سے پاک وصاف ہو جائے گا بلکہ معاشرے میں پائی جانے والی معاشی ناہمواریاں بھی از خود دور ہوتی رہیں گی۔ اگر یہ سوچ افرادِ معاشرہ کے قلوب و اذہان میں بیٹھ جائے تو پوری زندگی میں حلال و حرام کی حدیں متعین ہو جائیں گی اور اجتماعی حیات کے احوال و معاملات سنور جائیں گے۔

معاشرے میں دولت کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو انسانی جسم میں خون کی۔ اگر یہ سارا خون دل (یعنی مالدار طبقے) میں جمع ہو جائے تو پورے اعضائے جسم (یعنی عوام) کو مفلوج کر دینے کے ساتھ ساتھ خود دل کے لئے بھی مضر ثابت ہو گا۔ اگر ایک طرف مفلس طبقہ، ناداری کے مصائب سے دوچار ہو گا تو دوسری طرف صاحب ثروت طبقہ دولت کی فراوانی سے پیدا ہونے والی اخلاقی بیماریاں (مثلاً عیاشی، آرام کوشی اور فکر آخرت سے غفلت) کا شکار ہو جائے گا اور ایسی صورت میں ان دونوں طبقوں میں حسد اور حقارت کے علاوہ کوئی اور رشتہ باقی نہ رہ سکے گا۔ یہ کشیدگی بڑھتے بڑھتے دشمنی میں بدل جائے گی اور معاشرے کا نظام خراب کرنے کا سبب بنے گی۔

اسی چیز کے پیش نظر جب تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدینے کی اسلامی ریاست کے قیام کی بنیاد رکھی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فوراً یہ آیات نازل فرمائیں: " خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بها ".[۴۰] آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوۃ) وصول کیجیے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں"۔

زکوۃ کے معاشی فوائد:

سودی نظام معیشت میں محنت کے مقابلے میں سرمایہ کی افادیت کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے محنت کش طبقہ اور کارکن طبقہ مسلسل غریب سے غریب تر ہوتا جاتا ہے اور سرمایہ دار طبقہ مختلف طریقوں سے یہ دولت

ہتھیا کر امیر سے امیر تک ہوتا جاتا ہے اور اس طرح پورا معاشی نظام مفلوج ہو جاتا ہے۔ زکوۃ اس مسئلے کا بہترین حل ہے۔ اس نظام کے ذریعے دولت کی تقسیم امیر اور غریب دونوں طبقے میں یکساں ہو جاتی ہے جس سے غریب کی بھی معاشی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔ سودی نظام معیشت تباہی کا سبب ہے جبکہ زکوۃ و صدقات کی منصفانہ تقسیم نظامِ معیشت کو بہتر بنانے میں معاون و مددگار اور باعث برکت ہے۔ اللہ پاک نے سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا ہے۔" يَمْحَقُ اللّهُ الْرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ".[۴۱] اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے) ادائیگی زکوۃ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ زکوۃ کے ذریعے پیدا ہونے والی کمی کو پورا کرنے کے لئے صاحب مال اپنی دولت کسی نہ کسی نفع بخش کاروبار میں لگانے کی کوشش کرتا ہے جس سے سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے چونکہ زکوۃ کی شرح صرف اڑھائی فیصد ہے۔ لہٰذا لوگ اس رقم کو دوسرے بھاری ٹیکسوں کے مقابلے میں زیادہ خوش اسلوبی سے ادا کرتے ہیں۔

اسلام کا پانچواں رکن: حج

حج دین اسلام کا پانچواں رکن ہے جس کے لفظی معنی ہیں قصد کرنا، کسی جگہ ارادے سے جانا' جبکہ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد مقررہ دنوں میں مخصوص عبادات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنا ہے۔ (یعنی بیت اللہ شریف کا اعمال مخصوصہ کے ساتھ قصد کرنا۔

"الحج فی اللغة القصد، و فی الاصطلاح، قصد التوجه إلى البيت بالأعمال المشروعة".[۴۲]

(ترجمہ): حج نام ہے احرام باندھ کر نویں ذی الحجہ کو عرفات میں ٹھہرنے اور کعبہ معظّمہ کے طواف کا اور اس کے لیے ایک خاص وقت مقرر ہے کہ اس میں یہ افعال کیے جائیں تو حج ہے۔ ۹ ہجری میں فرض ہوا، اس کی فرضیت قطعی ہے، جو اس کی فرضیت کا انکار کرے کافر ہے مگر عمر بھر میں صرف ایک بار فرض ہے۔ (۴۴)

فرضیتِ حج

ارشادِ ربانی ہے۔ " وَأَتِمُّواْ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّهِ ".[۴۳] یعنی حج و عمرہ کو اللہ (عزوجل) کے لیے پورا کرو۔ اسی طرح سورۃ آلِ عمران میں ارشاد فرمایا: " وَلِلّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً ".[۴۴] اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔

استطاعت کا لفظ اتنا جامع ہے کہ اس میں مالی، جسمانی، ملکی ہر قسم کی استطاعت داخل ہے۔ حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اور یہ ساری عمر میں ایک بار فرض ہے۔ اس کی فرضیت ۹ھ میں ہوئی۔ حج کی فرضیت

کا انکار کرنے والا کافر ہے اور باوجود قدرت کے حج نہ کرنے والوں کے حق میں کہا گیا ہے کہ کچھ بعید نہیں کہ وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مریں۔

"قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیه وسلم مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلاَ عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا".[۴۵]

(ترجمہ): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص کو خرچ اخراجات سواری وغیرہ سفر بیت اللہ کے لیے روپیہ میسر ہو (اور وہ تندرست بھی ہو) پھر اس نے حج نہ کیا تو اس کو اختیار ہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔

حج کا فریضہ ہر مسلمان پر اسی وقت عائد ہوتا ہے جب کہ اس کو جسمانی اور مالی اور ملکی طور پر طاقت حاصل ہو۔ جیسا کہ آیت شریفہ من استطاع الیہ سبیلا سے ظاہر ہے۔

جو شخص صاحب استطاعت ہو، یعنی اپنے اہل وعیال اور زیر کفالت اشخاص کی جملہ ضروریات پوری کرنے کے بعد سفر حج کا متحمل ہو اس پر لازم ہے کہ وہ ایام حج میں اللہ تعالیٰ کے گھر جاکر فرض کردہ مناسک بجالائے۔ حج میں احرام باندھنا، بیت اللہ شریف کا طواف کرنا، صفا مروہ کی سعی کرنا، بال کٹوانا، منیٰ میں حاضری دینا، وقوف عرفہ اور مزدلفہ میں قیام وغیرہ شامل ہیں۔

فضائل حج

احادیث مبارکہ میں حج کی بڑی فضیلت اور عظیم اجر وثواب کا ذکر آیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ".[۴۶]
یعنی جس نے اللہ کے لئے اس شان سے حج کیا کہ نہ کوئی فحش بات ہوئی نہ کوئی گناہ تو وہ اس دن کی طرح واپس لوٹے گا جیسے اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

" سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیه وسلم أَيُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ، قَالَ إِيمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ . قِيلَ ثُمَّ مَاذَا ،قَالَ جِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قِيلَ ثُمَّ مَاذَا ،قَالَ حَجٌّ مَبْرُورٌ ".[۴۷]

(ترجمہ): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پوچھا گیا: پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا: " اللہ کی راہ میں جہاد " ۔ پوچھا گیا اللہ کے رسول! پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا: " حج مبرور۔

حج اور معاشرتی اثرات:

یہ بات قابلِ غور ہے کہ حج کی وہ کیا اہمیت اور خصوصیت ہے، کہ جس کی بنا پر ایک طرف قصداً اسکے کرنے کے انکار کو کفر کے مترادف قرار دیا گیا ہے اور دوسری طرف ایمان اور احتساب کے ساتھ اس کی

ادائیگی کو پچھلے گناہوں سے پاکی کا ضامن قرار دیا گیا ہے اور اس کے بعد بالکل ایک نئی پاک وصاف زندگی کا باب کھول دیا گیا ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ حج کا کعبہ سے تعلق ہے، جو زمین پر اللہ کا گھر، امت مسلمہ اور انسانیت کا مرکز و محور اور رب کعبہ سے خصوصی نسبت رکھتا ہے۔ حج کی اصل بیت اللہ کی زیارت اور اسوۂ ابراہیمی کا تجربہ اور تجدید ہے۔ اس پورے عمل میں ایک طرف دعوت اسلامی کے سارے تاریخی مراحل سے انسان کو گزار دیا جاتا ہے، تو دوسری طرف تمام منصوص عبادات کی روح اور ان کے خلاصے کو بھی اس میں سمو دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ مراسم عبادات کا جامع اور ایک جلوے میں ہزار جلوں کی تجلی گاہ بن جاتا ہے۔

حج کا ایک مقصد جہاں اِنسان کا تزکیہ نفس ہے، وہاں اِجتماعی طور پر مسلمانوں میں اِتحاد واتفاق کی فضا کو ہموار کرنا بھی ہے۔ دنیا کے تقریباً ہر خطے کے مسلمان ایک مرکز پر جمع ہوتے ہیں تو انہیں ایک دوسرے کے مسائل جاننے اور دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کا موقع میسر آتا ہے۔ یہ عبادتِ حج ہی ہے جو مسلمانوں کو وحدت، اتفاق، اتحاد اور ایک دوسرے کی غمخواری کا درس بھی دیتی ہے چاہے وہ دنیا کے کسی بھی خطے، زبان یا نسل سے تعلق رکھتا ہو۔

حج ایک بہترین جسمانی ورزش:

حج کے ارکان ادا کرتے ہوئے مسلمان میں ایک طرح کی جسمانی اور روحانی طاقت آ جاتی ہے، یہ طاقت کعبہ کے گرد طواف کرنے، صفا و مروہ کے درمیان ایک خاص انداز و رفتار سے چلنے، نمازیں اور نفل پڑھنے، شیطان کو کنکر مارنے، خاص وقت میں عرفات میں کھڑے ہونے اور باقی کافی ساری جگہوں میں چلنے پھرنے سے آتی ہے۔ حج کے موقع پر یہ ساری مشقتیں ایسے انداز میں کی جاتی ہیں، جو قدرتی طور پر انسانی صحت کے ساتھ منسلک ہیں۔

حج، جامع العبادات

غور و فکر کا تیسرا پہلو اس کی جامعیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حج تمام ہی مراسم عبادت کا جامع ہے۔ نماز کا آغاز اگر نیت کی درستی، قبلے کے استقبال اور بدن کی طہارت سے ہوتا ہے اور اس کی روح ذکرِ الٰہی ہے، تو حج پہلے ہی مرحلے سے ان سب کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ بیت اللہ کی طرف رخ ہی نہیں اس کا قصد اور اس کی طرف سفر، اور پھر اس کا طواف اور اس کی طرف سجدے ہی سجدے، احرام اور جسم اور روح کی طہارت اور حج کی نیت سے لے کر طواف وداع تک ذکر ہی ذکر۔ نماز اگر فحش اور منکرات سے روکنے کا ہتھیار ہے، تو احرام بھی فحش اور منکرات کے باب میں ایک حصار ہے۔

حج کے پورے عمل کو خواہش نفس سے پاک کرنا اور گناہوں سے بچانا، آداب حج کا حصہ ہے۔ زکوٰۃ مالی عبادت ہے، جو ایک طرف حب دنیا اور حبِ دولت سے انسان کو بچاتی ہے تو دوسری طرف معاشرے سے بھوک اور غربت کو مٹانے اور معاشی عدم مساوات کو کم کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ حج میں بھی انسان کو کثیر مالی قربانی کرنا

پڑتی ہے۔ صرف زاد راہ اور قربانی ہی کے لیے نہیں بلکہ ایک عرصے کے لیے ترکِ معاش اور اہل خاندان کے لیے معاش کے انتظام کی شکل میں۔

احرام پوری امت کے لیے مساوات کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتا ہے اور امیر غریب، بادشاہ فقیر، سب ایک ہی لباس میں آجاتے ہیں۔ روزے کا مقصد بھی تقویٰ پیدا کرنا، ضبط نفس کی تربیت دینا، جسمانی مشقت انگیز کرنے کے لیے تیار کرنا، تعلقات زن و شو سے احتراز (صرف دن ہی میں نہیں، حج کی راتوں میں بھی)، بے آرامی اور ذکر کی کثرت کی فضا بنانا ہے۔ حج میں یہ سب اپنے اپنے انداز میں موجود ہیں۔

روزے کو قرآن سے خصوصی نسبت ہے۔ حج میں بھی قرآن کی تلاوت اور مقاماتِ نزول قرآن کی زیارت، روزے کے ان پہلوؤں کا لطف پیدا کر دیتے ہیں۔ نماز کی باجماعت ادائیگی، زکوۃ کی بیت المال کے نظام کے ذریعے منظّم تقسیم اور روزے کو ایک ہی مبارک مہینے میں تمام اُمت کے لیے فرض کرنے میں اجتماعیت کی جو شان ہے، حج اس کی معراج ہے۔ غرض اس ایک عبادت میں، جو بالعموم کئی مہینوں پر پھیلی ہوئی ہے اور سفر کی جدید سہولتوں کے باوجود کئی ہفتوں کا اعتکاف اور انہماک تو لازماً چاہتی ہے۔ عبادت کے تمام ہی مراسم اور ان کے اہداف کسی نہ کسی شکل میں جمع کر دیے گئے ہیں، جو اپنی نوعیت کا ایک منفرد اور یادگار تجربہ ہے۔

حج وحدتِ انسانی کی علامت:

حج کا ایک اور منفرد پہلو امت کی وحدت اور انسانیت کے ایک خاندان اور برادری ہونے کو نمایاں کرنا ہے۔ رنگ، نسل، وطن، زبان، ، سماجی تنوع، معاشی تفاوت، غرض ہر فرق ختم ہو جاتا ہے۔ ایک اللہ کے ماننے والے بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے لیے دنیا کے گوشتے گوشے سے ایک مرکز پر جمع ہوتے ہیں اور ایک خاندان کی طرح ایک امام کی قیادت میں ایک ہی تلبیہ کا ورد کرتے ہوئے دن رات ساتھ گزارتے ہیں۔

تہذیب وتمدن کے سارے خول اتر جاتے ہیں اور صرف للّٰہیت اور انسانیت کا نمونہ پیش کرتے ہیں اور ان سب کا آخری ہدف اللہ کی رضا کا حصول، زمین پر اس کی مرضی پوری کرنے کا عزم، استخلاف فی الارض کے مشن کے نفاذ کے جذبے کو تازہ کرنا اور دین کی دعوت دینا اس کے لئے جدوجہد کرنا بن جاتا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اس پہلو کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

> "پس اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ جس طرح رمضان کا مہینہ تمام اسلامی دنیا میں تقویٰ کا موسم ہے، اسی طرح حج کا زمانہ تمام روئے زمین میں اسلام کی زندگی اور بیداری کا زمانہ ہے۔ اس طریقے سے شریعت بنانے والے حکیم ودانا نے ایسا بے نظیر انتظام کر دیا ہے کہ ان شاء اللہ قیامت تک اسلام کی عالمگیر تحریک مٹ نہیں سکتی۔ دنیا کے حالات خواہ کتنے ہی بگڑ جائیں اور زمانہ کتنا ہی خراب ہو جائے، مگر یہ کعبے کا مرکز اسلامی دنیا کے جسم میں کچھ اس طرح رکھ دیا گیا ہے، جیسے انسان کے جسم میں دل ہوتا ہے۔ جب تک دل حرکت کرتا رہے، آدمی مر نہیں سکتا، چاہے بیماریوں کی

وجہ سے وہ ہلنے تک کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ بالکل اسی طرح اسلامی دنیا کا یہ دل بھی ہر سال اس کی دُور دراز رگوں سے خون کھینچتا رہتا ہے اور پھر اس کو رگ رگ تک پھیلا دیتا ہے۔ جب تک اس دل کی یہ حرکت جاری ہے اور جب تک خون کے کھینچنے اور پھیلنے کا سلسلہ چل رہا ہے، اس وقت تک یہ بالکل محال ہے کہ اس جسم کی زندگی ختم ہو جائے، خواہ بیماریوں سے یہ کتنا ہی زار ونزار ہو۔" [۴۸]

حواشی وحوالہ جات

۱. میک آئیور، society، ص ۵، میک ملن پریس، لندن، ۱۹۷۹

۲. مورس گینس برگ، Study in Sociology، ص ۳۲ پبلیشر میتھیون، لندن، ۱۹۳۲

۳. علوی، ضیاء الدین، علم سماجیات، علی گڑھ، ص ۳۲

۴. الحجرات ۱۳/۴۹

۵. عبدالرشید، ڈاکٹر، مطالعہ ادیان ومذاہب، ص۔ ۳۴۸ ایچ ایچ بی پرنٹرز، کراچی

۶. آل عمران، ۱۹/۳

۷. بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری ، کتاب الإیمان، باب دعاءکم إیمانکم ، حدیث نمبر۸، مکتبة دارالسلام، الریاض، ۱۹۹۹م

۸. الأحزاب ۳۳ / ۴۰

۹. البقرة: ۳۰/۲

۱۰. نعیمی، مفتی أحمد یار خان، مرآة المناجیح شرح مشکوٰة المصابیح، ،کتاب الصلوٰة، فصل أوّل، ج۱،ص/۳۳۸، مکتبة اسلا میة ،لاهور

۱۱. البقرة ۴۳/۲

۱۲. العمری، ولی الدین محمد بن عبد الله، مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، فصل اوّل، حدیث نمبر ۵۲۳، مکتبة رحمانیة ،لاهور

۱۳. نعیمی، مفتی أحمد یار خان ،مرآة المناجیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الصلوة، فصل اوّل، ج۱، ص/۳۴۲،مکتبة اسلامیة، لاهور

۱۴. أبو داؤد، سلیمان بن الأشعث، سنن کتاب الصلوة ،حدیث نمبر ۴۹۴

۱۵. نسائی، أبو عبد الرحمن، سنن نسائی کتاب عشرة النساء، باب حُبِّ النِّسَاءِ، حدیث نمبر، ۳۳۹۲، مکتبة دارالسلام، الریاض،۱۹۹۹م

۱۶. البقرة ، ۴۳/۲

۱۷. العنکبوت، ۲۹/ ۴۵

۱۸. آل عمران۳، /۱۰۳

[19]. العنكبوت، ٢٩/ ٤٥

[20]. الرعد، ٢٨/١٣

[21]. المؤمنون، ٢٣/ ١-٢

[22]. المؤمنون، ٢٣/ ٩- ١٠

[23]. العنكبوت، ٢٩/ ٤٥

[24]. حنا، سید، اسلام اور جدید سائنس، ص۵۰-۵۱

[25]. البقرة، ١٨٣/٢

[26]. البقرة، ٢ /١٨٥

[27]. بخاری، محمد بن اسماعیل،صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب فَضْلِ الصَّوْمِ، حدیث نمبر ١٨٩٤، مکتبة دارالسلام، الریاض، ١٩٩٩م

[28]. بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج٣، کتاب الصوم، باب هَلْ يُقَالُ رَمَضَانُ أَوْ شَهْرُ رَمَضَانَ حدیث نمبر ١٨٩٩ مکتبة دارالسلام، الریاض، ١٩٩٩

[29]. بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج٧، کتاب الأطعمة، باب الْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ حدیث نمبر ٥٣٩٣، مکتبة دارالسلام، الریاض، ١٩٩٩م

[30]. حنا، سید، اسلام اور جدید سائنس، ص،۵۷

[31]. بلیلاوی، عبد الحفیظ، المنجد: ص ٣٣٩، مجلسِ علم و دانش،کراچی

[32]. بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج٢، کتاب الزکوة، ، باب وُجُوبِ الزَّكَاةِ حدیث نمبر ١٣٩٩، مکتبة دارالسلام، الریاض، ١٩٩٩م

[33]. بلیلاوی، عبد الحفیظ، المنجد: ص ٣٣٩، مجلسِ علم و دانش،کراچی

[34]. الشمس، ٩١ / ٩- ١٠

[35]. أیضا: ص ٣٣٩

[36]. البقرة، ۴۳/۲

[37]. التوبة، ٦٠/٩

[38]. تفسیر صراط الجنان، ج٤، سورة التوبة/ الآیة: ٦٠، مکتبة المدینة، کراچی، ٢٠١٤

[39]. التوبة، ٩ /١٠٣

[40]. البقرة، ٢ / ٢٧٦

[41]. افریقی، ابن منظور، لسان العرب/ ج١، ص، ٧٤٥، مؤسسة الأعلمی للمطبوعات، بیروت،٢٠٠٥ م

[42]. مفتی محمد امجد علی اعظمی، بہارِ شریعت حصہ ششم، حج کا بیان، ص۱۰۳۵، مکتبہ المدینہ کراچی، ۲۰۰۸

٤٣. البقرة، ٢/١٩٦

٤٤. آل عمران ٣ / ٩٧

٤٥. ترمذی، محمد بن عیسی، جامع ترمذی ،کتاب الحج عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، باب مَا جَاءَ فِي التَّغْلِيظِ فِي تَرْكِ الْحَجِّ، حدیث نمبر ٨١٢، مكتبة دارالسلام، الرياض،١٩٩٩م

٤٦. بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج٢، کتاب الحج باب فَضْلِ الْحَجِّ الْمَبْرُورِ، حدیث ١٥٢١ مكتبة دارالسلام، الرياض، ١٩٩٩ م

٤٧. بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج٢، کتاب الحج باب فَضْلِ الْحَجِّ الْمَبْرُورِ، حدیث ١٥١٩ مكتبة دارالسلام، الرياض، ١٩٩٩م

٤٨. مودودی، سید ابوالاعلی، خطبات، ص ۲۰۹-۲۱۰، دفتر رسالہ ترجمان القرآن، لاہور

@ 2017 by the author, Licensee University of Chitral, Journal of Religious Studies. This article is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/).